باسمہ تعالیٰ

خضر کی صورت رہا جو جادہ پیمائے حیات
وہ جلالِ علم ہے تاریخ میں "نقشِ دوام"

امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری

کے

سوانح، علمی و عملی شاہکار، سیاسی افکار، دینی نظریات

اور

تحقیقات و تفردات کا ایک بسیط جائزہ

از: ـــــــ انظر شاہ مسعودی

شاہ بُک ڈپو، دیوبند۔ (یو پی)

نام کتاب :— "نقشِ دوام"

مرتب :— انظر شاہ مسعودی

کتابت :— محبوب الرحمٰن قاسمی بجنوری

مصحح :— انیس الاسلام القاسمی و احمد خضر شاہ مسعودی

مطبع :— شیروانی آفسیٹ پرنٹرز دہلی

تعدادِ طباعت :— ایک ہزار

باہتمام :— حکیم مصباح الدین مردانی

قیمت :— تیس روپیہ

ناشر :

شاہ بکڈپو، دیوبند (یو، پی)

فہرستِ مضامین

دار العلوم میں گزارا اور آپ کی تدریس دار العلوم کی وقار علمی کی سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔ اسی دور میں آپ سے طلباء کے ساتھ فضلاء نے بھی استفادہ کیا۔ دور دراز کے علماء اپنی علمی مشکلات کو حل کرنے کے لئے دیوبند آتے اور مرحوم سے استفادہ کیا جاتا۔ امام العصر اس دور میں بھی

ص۴۹ کا بقیہ:۔ اسی وقت نام نظر رکھتے۔ شاہ صاحب کے رشتہ کی بات چلی تو آپ کی طرف سے شرط یہ تھی کہ سید بچی اور بیوہ ہو۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ازدواجی زندگی میں عمل کرنے کا اہتمام تھا کہ آپؐ کے حبالۂ عقد میں سب سے پہلی آنے والی بیوی ام المؤمنین سیدۃ النساء خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہی تھیں۔ خانجہاں پور ضلع مظفر نگر کے امیر کبیر مولانا محمد نبی مرحوم جو حضرت شیخ الہند و حضرت شاہ صاحب دونوں ہی کے شاگرد تھے اور نجیب الطرفین سادات میں سے ان کی ہمشیرہ بیوہ موجود تھیں۔ مولانا عثمانی نے اسی جگہ کا انتخاب فرمایا لیکن جب حضرت شاہ صاحب کو اس خاندان کے تمول و ریاست کا علم ہوا تو شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ والدہ مرحومہ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ دو ترنجیں ہیں ان پر ایک طوطا بیٹھا ہوا ہے یہ طوطا دونوں ترنجوں کو بوسہ دے رہا ہے بلکہ بچپن ہی میں یہ بھی خواب میں دیکھا کہ میری شادی ایک کہنہ سال آدمی سے ہوئی ہے جسکا حلیہ ان کو ہمیشہ محفوظ رہا۔ فرماتیں تھیں کہ حضرت شاہ صاحب کو پہلے لمحہ میں دیکھتے ہی اپنے بچپن کے خواب کی بھرپور تعبیر سامنے آگئی۔ بچپن کی معصومیت و بھولا پن اپنے یہ دونوں خواب میرے نانا کو سنائے جو حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے باعقیدت و بااخلاص مسترشدین میں سے تھے انھوں نے حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ سے تعبیر معلوم کی تو فرمایا کہ اس بچی کی شادی کسی بڑے عالم روزگار سے ہوگی وقت گزرتا گیا۔ نانا و نانی دونوں مرحوم ہوگئے چھوٹے بھائی حکیم محفوظ علی دیوبند پڑھنے کے لئے چلے آئے اور یہ یتیم بچی اپنے بڑے بھائی حافظ محمد ظفر مرحوم کی کفالت میں آئیں۔ حافظ جی صرف حفظِ قرآن کئے ہوئے تھے گنگوہ کی ایک مسجد میں امامت کرتے۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مرحوم کے ہمزلف تھے۔ گھر میں غربت اور افلاس کا تسلط تھا حالانکہ میرے نانا بھوپال میں داروغۂ جنگلات اور انکے بڑے بھائی وہیں پر تھانیدار تھے دونوں بھائیوں نے بڑے طنطنہ کی زندگی گزاری۔ میری خالہ اور نانا کے بڑے بھائی کی ایک لڑکی جو ابھی حیات ہیں نیز والدہ گنگوہ میں تینوں حافظ صاحب کے ساتھ بود و باش رکھتیں۔ ان ماموں نے اپنی غربت کے باوجود تینوں بہنوں کو بڑے ناز کے ساتھ پالا۔ والدہ بیان کرتی ہیں کہ ہم بچپن میں شرارت کرتے حافظ جی باہر سے آجاتے تو کبھی خود ہی چلا چلا کر روتے اور بہنوں کی شرارت پر واویلا کرتے کبھی ہاتھ میں موجود لکڑی کو اس چارپائی کی پٹی پر مارتے جس پر یہ تینوں سہمی ہوئی بیٹھی رہتیں لیکن کبھی ان میں سے کسی بہن کو زد و کوب نہیں کیا۔ تینوں کی شادی سے فراغت کے بعد بھوپال منتقل ہوگئے اور وہاں وبائی طاعون میں مبتلا ہوکر بعمر ۴۰ سال پیوندِ خاک ہوئے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ان کی بیوہ بعد میں حکیم سید محفوظ علی صاحب کے نکاح میں آئیں صرف ایک یادگار بچی رابعہ خاتون تھیں جنکی پرورش حکیم سید محفوظ علی صاحب نے کی قصبہ کلانور مشرقی پنجاب میں ایک فاضل دار العلوم و طبیب مولوی سید عبد الحفیظ صاحب سے رابعہ بہن کی شادی ہوگئی تقسیم پنجاب پر اس خاندان کے اکثر افراد بشمول ہمشیرہ شہید کر دئیے گئے غالباً کوئی بچہ اب پاکستان میں موجود ہے۔ انقلاباتِ دہر دیکھئے کہ راقم السطور کو اب اپنی ماموں زاد بہن کے پسماندگان کے لئے غالباً کا مشکوک پیرایہ اختیار کرنا پڑ رہا ہے۔ بہر حال حکیم سید محفوظ علی صاحب کو جب حضرت شاہ صاحب کے رشتہ کا علم ہوا تو پیر جی شریف صاحب کی وساطت سے اپنی ہمشیرہ کے لئے سلسلہ جنبانی کی یہ رشتہ حضرت شاہ صاحب کے لئے منظور خاطر (باقی آگے)

تدریس و تعلیم کے ساتھ اشاعت دین اور دین کے لئے پیدا شدہ خطرات سے تحفظ کی پوری فکر رکھتے یہی وہ زمانہ ہے جب فتنۂ قادیانیت نے بال و پر نکالے تو اس فتنۂ کبریٰ کی بیخ کنی میں اپنی تمام علمی و عملی توانائیاں صرف کر دیں۔ تلامذہ کو قادیانیت کے خلاف محاذ پر لا کھڑا کیا اور

ص۴۰ کا بقیہ:۔ ہوا۔ بھوپال برات گئی بارات میں خاندان قاسمی کے اکثر افراد مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی وغیرہ شریک تھے والد ماجد کا اس وقت سن و سال ۴۵ سے متجاوز تھا اور ریش مبارک کا ایک تہائی حصہ سفید ہوچکا تھا بارات پہونچی تو والدہ کے محلہ میں کہرام بپا ہوگیا کہ ۱۲ سال کی معصوم بچی ایک کبیر السن سے بیاہ دی گئی۔ جاہل عورتوں نے یہ داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ والدہ تک بھی پہونچائی جو اس وقت دلہن بنی بنائی نکاح کے لئے بیٹھی ہوئی تھیں بتاتی تھیں کہ اس بے جوڑ شادی کی تفصیلات سن کر میں کانپ اٹھی نکاح کے بعد رخصتی ہوئی تو جھانسی کے اسٹیشن پر نماز پڑھنے کے لئے یہ سب حضرات اترے مولانا محمد ادریس سکھروڈوی اس وقت جوان رعنا تھے ریل کے زنانہ ڈبہ سے والدہ کی نظر انھیں پر پڑی لطف لے کر بتاتیں کہ اپنے اس خیالی شوہر کو دیکھ کر میں فرحاں و شاداں ہوئی اور بھوپال کی عورتوں کی رنگ آمیز داستاں از اول تا آخر میرے تصورات میں غلط نکلی۔ دہلی اسٹیشن پر مسافر خانہ میں بٹھا دیا گیا۔ دیوبند جانے والی گاڑی میں ابھی قدرے تاخیر تھی والدہ اور ان کی بڑی بہن جو دلہن کی رفیقہ تھیں اپنے ایک بکس پر بیٹھی ہوئی تھیں کہ حکیم سید محفوظ علی دوڑتے ہوئے پہونچے اور بتایا کہ حضرت شاہ صاحب کچھ بات کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں اس غیر متوقع آمد پر دونوں بہنوں کو اچنبھا ہوا اتنے میں حضرت شاہ صاحب پہونچ گئے اور اپنی مخصوص نشست کے ساتھ ایک ہاتھ میں چھڑی دوسرا ہاتھ پیشانی پر دونوں بہنوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ

"میں ایک مفلوک الحال اور غریب الوطن ہوں۔ شادی کا کوئی ارادہ نہیں تھا مولانا حبیب اور دوسرے اکابر کے اصرار پر مجبوراً یہ صورت اختیار کرنا پڑی میرے پاس دینے لینے کے لئے بھی کچھ نہیں نہ میرا گھر ہے اور نہ گرہستی سے کوئی سروکار، دار العلوم کے ایک حجرہ میں فرد کش ہوں"

اللہ اکبر یہ حقیقت آمیز بیان تھا یا دو معصوم لڑکیوں کے لئے صاعقۂ آسمانی۔ بہن کی تباہی پر اولاً بڑی بہن سراپا بُکا بنیں اور پھر نئی نویلی دلہن وقف گریہ ہوگئیں حضرت شاہ صاحب یہ گفتگو کرنے کے بعد اٹھ آئے بارات دیوبند پہنچی تو دلہن کو مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مکان میں اتارا گیا اگلے روز شاہ صاحب نے مولوی ادریس صاحب کی معرفت جو اثاثۃ البیت اپنی دلہن کے لئے بھیجا اسمیں ایک چٹائی، مٹی کا ایک بدھنا، ایک لوٹا اور مٹی کے دو پیالے تھے۔ کبھی کبھی مدرسہ کے رہائشی کمرہ سے والدہ کے لئے تیار چائے مٹی کے پیالے میں، اسکے ساتھ دار العلوم کا ایک آدھا نان بھیجتے گھر پہ آمد و رفت کا یہ عالم تھا کہ کبھی ہفتہ میں کبھی عشرہ میں کبھی پورا ہی مہینہ گزر جاتا۔ خالہ اس صورتِ حال پر چیں بہ جبیں تھیں اور انھوں نے تفریق کا پورا منصوبہ بنایا تھا لیکن الحمد للہ کہ والدۂ ماجدہ مستقیم رہیں اور اس بھیانک صورتِ حال نے انھیں مغموم کرنے کے بجائے صبر و ثبات کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ البتہ ابتداء میں ایک بار محلہ کی فرتوت ضعیفہ نے ہمدرد و غمگسار بن کر کہا کہ "حضرت شاہ صاحب کی بے التفاتی کو ختم کرنے کے لئے کسی مؤثر تعویذ کی ضرورت ہے جس کا معاوضہ اس زمانہ میں دس روپے طلب کئے گئے یہ اپنی غربت کی وجہ سے اس حقیر رقم کا بھی انتظام نہ کر سکیں لیکن عورتوں کی عام نفسیات یعنی شوہر کو مائل و متوجہ کرنے کے جذبہ میں اور تو کچھ بن نہ پڑا اپنا چاندی کا ایک

(باقی آگے)

بہت سے مقررین و اہل تصنیف اس طرح بنا ڈالے کہ وہ قادیانیت کی شہ رگ کے لئے تیز چھری ثابت ہوئے۔ بلا شبہ آج قادیانیت، کفر کے مترادف ایک حقیقت جس قوت سے سمجھی جا رہی ہے وہ ان کے مجاہدانہ عزائم کا ایک عکس جمیل ہے جس کی تفصیلات مستقل عنوان کے تحت آتی ہیں۔

دار العلوم سے ترکِ تعلق :- دیوبند میں حضرت شاہ صاحب کا وفور علم پورے شباب پر تھا کہ بد قسمتی سے دار العلوم دیوبند میں ایک شورش برپا ہوئی جس کی تفصیلات درد انگیز ہیں۔ اس فتنہ کا اثر حضرت مرحوم کے قلب پر آخر تک رہا اور شاداب صحت کو ایک گھن لگ گیا۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ علم کے اس آفتابِ منیر کو ہنگامۂ دار العلوم اور فتنۂ قادیانیت نے وقت سے پہلے غروب کر دیا۔ اس دور میں آپ کو دیکھنے والے اسکی تصدیق کرینگے کہ غم و اندوہ کی ایک آگ آپ کے اندر سلگ رہی تھی جس نے صحت کے ڈھانچے کو

ص۴۱ کا بقیہ :- زیور دید یا تعویذ آگیا۔ بازو پر باندھ لیا گیا چند ہی گھنٹوں کے بعد خلاف توقع و معمول حضرت شاہ صاحب تشریف لے آئے۔ فرماتی تھیں کہ اس آمد کو تعویذ کا اثر محسوس کرتے ہوئے میں خوشی سے جھوم رہی تھی کہ تدبیر کارگر ہوئی شاہ صاحب تشریف فرما ہوئے اور کسی تمہید کے بغیر فرمایا کہ ارے ہم پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں مطالعہ کی کثرت کی بنا پر مفقود الفرصت ہیں تعویذ وغیرہ سے کوئی فائدہ نہیں۔

کہتیں شاہ صاحب یہ فرما رہے تھے اور مجھ پر خجالت سے گھڑوں پانی گرا، پاؤں تلے کی زمین نکل گئی وہ ادھر اُٹھ کر گئے ادھر میں نے تعویذ کھول دیا پھر الحمد للہ بے التفاتی کی کبھی شکایت نہیں ہوئی اور نہ اس طرح کے مخمصوں میں خود کو مبتلا کیا۔ انھوں نے اپنے جذبات و خواہشات کو مرحوم کی خواہشات پر قربان کر دیا تھا صرف ایک بار کوئی خاص زینت کی تو شاہ صاحب نے اپنے بھولے بھولے انداز میں فرمایا ارے یہ کیا واہیات ہے؟ پھر اس کے بعد آراستگی و آرائش کی کوئی کوشش نہیں کی۔ والد مرحوم کی وفات کے بعد وہ تیئس سال سے متجاوز نہیں تھیں لیکن ان کے لباس کی سادگی، بود و باش کی بے تکلفی اور ترک آرائش عبرت انگیز تھی اسکے باوجود مزاج میں ایک خاص جلال تھا۔ بہت کشادہ دل، جواد مزاج اور دریا دل واقع ہوئیں تھیں۔ محلہ کی غریب عورتوں اور غربا کا ان کے ارد گرد ہجوم رہتا کھلا کر بیحد خوش ہوتیں۔ بہت سی غریب بچیوں کی شادی کی، غریب نوازی میں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ ہمیشہ مقروض رہتیں دنیا سے اٹھیں تو بارِ قرض پیچھے چھوڑا جسکی ادائیگی کی توفیق و سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی ان کی بڑی بہن کا عالم شباب میں دہلی میں انتقال ہو گیا۔ جنھوں نے صرف ایک بچہ چھوڑا "حکیم سید اختر حسین" جو اس وقت پشاور میں مطب کرتے ہیں یہ ہمارے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ نانا کا بھوپال میں انتقال ہوا۔ نانی "غیرت گنج" کی زمین میں ابدی نیند سوتی ہیں۔ گنگوہ میں آبائی مکان تھا جس کے اب آثار بھی باقی نہیں رہے کچھ اعزا و اقارب شاملی ضلع مظفر نگر، کچھ شیخ پورہ ضلع سہارنپور اور معدودے چند "ساڈھورا" ضلع انبالہ میں تھے۔ ہم پسماندگان کو ان اقارب سے کوئی واقفیت بھی نہیں۔

رحمہم اللہ و رحمہن رحمۃ واسعۃ۔

خاکستر کر دیا۔ ۱۳۴۵ھ میں استعفا دے دیا اور ایک مرتبہ پھر ارادہ فرمایا کہ گوشہ نشین ہو کر امت کی خدمت دوسرے شعبوں میں کی جائے مگر جس علم کی شہرت اقصائے عالم میں پھیل چکی تھی اس سے استفادہ کی محرومی کوئی کب برداشت کر سکتا۔ چنانچہ دیوبند سے علیحدگی کے ساتھ ہی علماء اور اہل مدارس کے وفود آپ کی خدمت میں پہونچے۔ مگر "گجرات" کی زمین اس سعادت کو لے اڑی اور معمولی مشاہرہ پر ضلع سورت کی ایک بستی ڈابھیل کی دینی درسگاہ میں درسِ حدیث کی ذمہ داری کو قبول فرما لیا۔ اس دور میں گجرات کے بعض اکابر نے بشرات بھی دیکھے۔ چنانچہ مولانا احمد بزرگ[عہ] جو "جامعہ اسلامیہ" ڈابھیل کے پاک نہاد مہتمم گذرے ہیں انھوں نے ۱۳۴۶ھ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں خواب دیکھا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلی میں وفات ہو گئی، اس وحشت اثر خبر سے ایک پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک جنازہ پر ہے جسے ڈابھیل لایا گیا زندگی کے آثار جسد مبارک پر نمایاں ہو رہے ہیں لیکن بیماری کا غلبہ ہے میں ارادہ کرتا ہوں کہ جسد اطہر کو حجرہ میں منتقل کر دیا جائے اور میں آپ کے بدن مبارک پر حصول برکت کے لئے اپنا ہاتھ پھیروں جسدِ مبارک اٹھایا جاتا ہے تو جتنا اٹھایا جاتا ہے اتنا ہی تندرست اور صحتیاب ہوتا جاتا ہے اگرچہ بعض حصوں کو اٹھانے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ مولانا احمد بزرگ نے اپنا یہ خواب دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن[عہ] صاحب کو لکھ کر بھیجا

عہ مولانا احمد بزرگ :- ولی صورت، ولی سیرت، متدین و امین، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم اور احساسِ فرض کے پیکر، سملک جو ڈابھیل کے قریب ایک چھوٹی بستی ہے اسی کے باشندے تھے۔ ثقہ عالم اور صاحب زہد و تقویٰ، حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ سے بیعت کی اور حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ سے خلافت حاصل کی روزانہ صبح کو گھر سے مدرسہ آتے تو مدرسہ کی رقوم تھیلی میں ان کے ہاتھ میں ہوتیں واپس ہوتے تو یہ تھیلی بھی رخصت ہوتی راہ میں کسی شریر طالب علم سے سابقہ پڑ جاتا تو اسی سے پیٹ دیتے ان کے میمون عہد میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے وہ ترقی کی جو بعد کے ادوار میں نصیب نہ ہوئی۔ افریقہ کے مسلمان تجار ان پر بڑا اعتماد کرتے تین بچے غالباً پسماندگان میں ہیں۔ مولوی محمد معصوم صاحب جن کا حال ہی میں لندن میں انتقال ہوا۔ دوسرے صاحبزادے مولانا محمد سعید حال رئیس الجامعہ ڈابھیل و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند ہیں اور اپنی سلامتی طبع میں منفرد ہیں۔ تیسرے مولانا رشید بزرگ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بعہدۂ مدرسی کام کر رہے ہیں۔ مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا ڈابھیل ہی میں انتقال ہوا اور سملک کے قبرستان میں تا صبح حشر مصروف خواب ہیں۔

عہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب :- مرحوم دیوبند کے مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے بڑے بھائی دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم، زہد و تقویٰ، دین و دانش، علم و فضل، سادگی و معصومیت کے پیکر زیبا، خدائے تعالیٰ نے کمالات باطنی سے اس فیاضی کے ساتھ سرفراز فرمایا کہ "قطب العالم" کے معزز لقب سے شہرت ہوئی اور خدمتِ خلق کا وہ جذبۂ وافر لے کر چلے کہ محلہ کی عورتوں کا

(باقی آگے)

اور یہ توصورتِ حال کا صرف ایک ہی رُخ تھا، اسی ہمارے ظالم معاشرہ میں جو اسلام خلاف بنیادوں پر تشکیل پا رہا ہے۔ بعض صوبے کے مسلمانوں میں "تلک" کی اسی رسم نے دوسری اندوہناک صورت اختیار کی۔ یعنی لڑکوں کی جانب سے جہیز میں گراں قیمت اشیاء کا لڑکی والوں سے مطالبہ ہونے لگا۔ ریڈیو، ٹیلیویژن، اسکوٹر، کار، بیش قیمت گھڑیاں بلکہ معتدبہ رقم اپنی تعلیم کو باقی رکھنے کیلئے یا کاروبار کی خاطر لڑکی کے والدین سے طلب کی جانے لگی اور اسطرح مردانہ غیرت وحمیت کو بھی کچل کر رکھدیا۔ قرآن حکیم نے توصاف وصریح طور پر انفاق کی تمام تر ذمہ داریاں مرد پر ڈالی تھیں لیکن اس ظالم مرد نے قلبِ موضوع کرتے ہوئے لڑکیوں ہی سے اپنے پر خرچ کرانا شروع کردیا۔ یوپی کے مشہور شہر "بجنور" میں ایک شریف لڑکی کو اپنے ہونے والے شوہر کی تعلیم کو جاری رکھنے کے مطالبہ پر خود بے پردہ ہوکر ملازمت کرنا پڑی۔ "بہار" میں شادی کے وقت ہی لمبے چوڑے مطالبوں کے بعد بھی دولہا پہلی مرتبہ سسرال جاتا ہے اور سسرال کی پوری مجبوری ومقہوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس وقت کوئی ایسا مطالبہ کرتا ہے جس کا ان غریبوں کو پہلے سے احساس تک بھی نہیں تھا اور جس مطالبہ کی تکمیل طوعاً وکرہاً اسی وقت لازم ہوتی ہے۔ کیا یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے اور جانے دیجئے اسلام کو خود اس بربریت کے لئے انسانیت میں کوئی گنجائش ہے[عــہ]؟ اسی موجودہ ہندوستان

صـ۲۳۱ کا بقیہ: دونوں بچیاں ہوس ناک مردوں کا شکار ہوکر یکے بعد دیگرے گھر سے فرار ہوگئیں اور اس طرح پورے خاندان، اسلام اور انسانیت کے لئے موجبِ ننگ وعار ہوئیں مگر سوال یہ ہے کہ قصور کس کا تھا؟ ظالم ماں باپ کا یا مظلوم لڑکیوں کا؟ خدا شاہد ہے کہ عبرۃً للناس یہ دلدوز واقعہ قلم پر اسطرح آیا کہ واقعہ کی صورتِ حال کو مجمل بیان کرتے ہوئے بھی قلم کا سینہ وجگر شق ہوا جاتا ہے بقصد کسی کا انکشافِ عیب نہیں اہانت وتذلیل محض صاحب خطبہ کے مضمون پر بطورِ دلیل وشاہد یہ دلدوز اجمال قارئین کو سنانا پڑا۔ وانما لکل امرئ مانوی۔

عــہ جگ بیتی نہیں بلکہ آپ بیتی۔ یہی صاحبِ سوانح حضرت مولانا انورشاہ کشمیری جب کشمیر سے طویل تدریس کے بعد بہ نیت ہجرت دیوبند تشریف لائے اور اپنے استاذ الامام شیخ الہند طاب ثراہ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو کہنہ سال استاذ نے جو اس تلمیذ کی غزارۃِ علمیہ کو دارالعلوم کی امانت اور اس امانت کی واپسی کی راہیں سوچ رہا تھا صاف انکار کردیا استاذی وشاگردی کی قدیم روایات سعادتمند تلمیذ نے واجب الاحترام مربّی کے اشارۂ چشم وابرو پر ارادوں کی دنیا یکسر بدل ڈالی اور حکماً دارالعلوم میں تدریس کا آغاز ہوگیا مگر بشمولِ استاذ دیوبند کے سربرآوردہ اکابر نے پاؤں میں مزید بیڑیاں ڈالنے کے لئے شادی کی بھی تجویز سامنے رکھدی۔ خواہی نخواہی اس حکم کی تعمیل کے لئے بھی تیار ہونا پڑا اور صرف دو شرائط اپنی جانب سے پیش کیں، لڑکی خاندانِ سادات سے ہو غریب وبیوہ ہو۔ ان شرائط کے پیشِ نظر قصبہ گنگوہ کے ایک سادات

(باقی آگے)

میں آمر بالمعروف وناہی عن المنکر علماء کا طبقہ صدیوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو اس ذلت آمیز و مہلک رسم کی قباحت وشناعت پر مسلسل متنبہ کررہا تھا لیکن ہندوستانی رسوم ورواج کی گرفت اتنی شدید تھی کہ وعظ وتذکیر کی بھرپور کوششوں کے باوجود اس غیر ایمانی واسلامی رواج سے مسلمان خود کو آزاد نہیں کراسکا۔ شر اٹھتا ہے تو کبھی اُسمیں خدائے تعالےٰ خیر کو بھی پنہاں فرماتے ہیں۔ آزاد ہندوستان میں یہ سطور نوکِ قلم پر ہیں تو تلک رسم وجہیز کی کثرت پر حکومتِ ہند کے

صـ۲۳۲ کا بقیہ:- خاندان میں ایک ایسی یتیم بچی کو تلاش کیا گیا جس کا گھرانہ واقعۃً نانِ شبینہ کا محتاج تھا اور دلہن کو دیوبند لانے کے بعد بادشاہِ اقلیم علم وکمال شوہر کی جانب سے گھر گرہستی کے لئے مٹی کا ایک بدھنا، سفالی کا ایک لوٹا، سفالی ہی کے دو پیالے اور نیچے بچھانے کے لئے ایک چٹائی بہم پہونچائی گئی تھی۔ اس شادی کی تفصیلات بجائے خود دلچسپ وحیرت انگیز ہیں جو کسی مناسب موقعہ پر نظرِ قارئین ہوچکیں۔ کہنا یہ ہے کہ پھر الحمدللہ مکان بھی میسر آیا، کپڑے لتے بھی، زیورات اور اثاث البیت بھی۔ انتقال فرمایا تو ترکہ میں نہ زمین تھی نہ جائداد، نہ کوٹھیاں تھی نہ باغات، نہ فرم تھی نہ کارخانہ جات، پیرہنِ مبارک کے نیچے دھوتر کی بنڈی جو عموماً بنیان کے طور پر استعمال فرماتے اسکی جیب میں سے صرف چاندی کے دو روپے سکۂ رائج الوقت نکلے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ۳۵ سال والدہ نے اپنے یتیم بچوں کے ساتھ غریبانہ نہیں بلکہ پُرآسائش زندگی گزاری، کہاں سے آرہا تھا؟ بباطن وہابِ حقیقی دے رہا تھا اور بظاہر موصوف کے تلامذہ ہمہ جہت خدمت کے لئے مستعد، مولانا محمد میاں سمکلی نے ۳۵ سال ماہ بماہ اور ہر چھوٹی بڑی ضرورت میں اس کشادہ دلی کے ساتھ خانوادۂ انوری کی خدمت کی کہ شاگردوں کی تاریخ میں سعادت مندی ونیاز کیشی کی یہ مثالیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور رہیں پھر اس راقم السطور کی شادی کا وقت آیا تو والدہ کی خواہش واصرار پر بجنور کی ایک ایسی سید یتیم بچی کا انتخاب ہوا جس کے منہ کا نوالہ اور جسم پر پھٹے پرانے کپڑے کچھ جواد لوگوں کا عطیہ تھا۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ اپنی سُسرال سے نہ کبھی ایک وقت کی ضیافت حصہ میں آئی اور نہ کوئی پوشاک و ملبوس، غریب مرحومہ جہیز تو کہاں سے لاتی مگر وہ میرے گھر میں آئی خدا کا فضل اور اس کی رحمتِ جلیل اسکے ہم عنان تھی۔ الحمدُ للہِ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً۔ اس بے بضاعت کے پاس مملوکہ رہائشی مکان بھی ہے کپڑوں کے متعدد جوڑے بھی ہیں ہر دو وقت مکلف نہ سہی بہترین کھانے کیلئے میسر بھی ہے اور امیرانہ ٹھاٹ نہ سہی لیکن متوسط اثاثۃ البیت بھی۔ پھر سوال یہ ہے کہ بے غیرت وحمیت کش مسلمان لڑکے بجائے اسکے کہ ہونے والی بیویوں کے زر ومال پر نظر رکھیں اس منعم حقیقی پر کیوں توکل نہیں کرتے جو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے اور جس سے بڑھکر کوئی دینے والا نہیں مگر واۓ گوئی عقل اور اوندھا فکر وتدبر انسان کو خوفناک مغالطوں میں ہمیشہ الجھاتا ہی رہا۔

الا ماشاء اللہ۔